Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:4 (1967)

انتقاد

محمد سرور

خلافت و ملوکیت

"خلافت و ملوکیت" مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تازہ تصنیف ہے
ضخامت ۳۵۲ صفحات۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن ۲۵ / ۸ روپے
سستا ایڈیشن ۲۵ / ۴ روپے، ناشر اسلامک پبلیکیشنز، لمیٹڈ لاہور

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس تازہ تصنیف پر علمائے اہل سنت کافی ناراض ہیں، اور ان کے بعض حلقوں کی طرف سے اس کی ضبطی کے لیے حکومت سے مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں مولانا مودودی نے "عقیدہ اہلِ سنت کی توضیح" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:۔

"امام ابوحنیفہ نے ان مسائل کے متعلق اہل السنت کا جو مسلک ثبت کیا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔[1]

"خلفائے راشدین کے بارے میں ـــ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس ابوبکر صدیق ؓ ہیں۔ پھر عمر ؓ بن الخطاب۔ پھر عثمان ؓ بن عفان۔ پھر علی ؓ بن ابی طالب۔ یہ سب حق پر تھے اور حق کے ساتھ رہے۔

---

[1] ملا علی قاری شرح الفقہ الاکبر ـــ المغنیساوی شرح الفقہ الاکبر ـــ

(الفقہ الاکبر کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے یہ ہے "امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے الفقہ الاکبر لکھ کر ان مذہبی فرقوں کے مقابلے میں عقیدہ اہل السنت والجماعت کو ثبت کیا۔

اور باوجود اس کے کہ خود موصوف کے نزدیک "اس کتاب کے بعض حصوں کے متعلق قریب کے زمانے میں محققین نے شک ظاہر کیا ہے کہ وہ الحاقی ہیں" وہ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ ناقد)

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

"عقیدہ طحاویہ میں اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام اُمت پر افضل قرار دیتے ہوئے سب سے پہلے خلافت اُن کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ پھر عمرؓ بن الخطاب کے لیے۔ پھر عثمانؓ کے لیے۔ پھر علیؓ بن ابی طالب کے لیے اور یہ خلفاء راشدین و آئمہ مہدیین ہیں (ابن ابی العز الحنفی شرح الطحاویہ"

صحابہ کرام کے بارے میں مولانا مودودی نے اہل السنت کا امام ابوحنیفہ کے حوالے سے یہ مسلک ثبت کیا ہے۔

"ہم صحابہ کا ذکر بھلائی کے سوا اور کسی طرح نہیں کرتے (مُلا علی قاری۔ المغنیساوی) عقیدہ طحاویہ میں اس کی مزید تفصیل یہ ہے "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو محبوب رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو محبت میں حد سے نہیں گزرتے اور نہ کسی سے تبری کرتے ہیں ان سے بغض رکھنے والے اور بُرائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنے والے کو ہم ناپسند کرتے ہیں۔ اور ان کا ذکر بھلائی کے سوا اور کسی طرح نہیں کرتے۔" (ابن ابی العز) (صفحات ۲۲۱ - ۲۲۲، ۲۲۳)

علمائے اہل سنت کے وہ حلقے جنہوں نے مولانا مودودی کی زیر نظر کتاب کو ضبط کرنے کا مطالبہ کیا ہے' ان کا کہنا یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اس کتاب میں حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہ اور دوسرے صحابہ کا ذکر بُرائی سے کیا ہے۔ اور ان کے بیان میں خاص طور سے ایسی تاریخی روایات کو منتخب کیا ہے جن سے ان صحابہ کرام کی توہین ہوتی ہے۔ اور ان کے بارے میں حسن ظن نہیں رہتا۔ اور چونکہ یہ امر اہل السنت والجماعت کے مسلمہ عقیدے کے خلاف ہے جیسا کہ خود مولانا مودودی نے اس کتاب میں لکھا ہے۔ تو اس بنا پر یہ کتاب ضبط ہونی چاہیئے۔

زیر نظر کتاب میں صفحہ ۱۰۲ سے صفحہ ۱۰۰ تک خلافت راشدہ کس طرح ملوکیت پر منتج ہوئی بحث کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ دور نہایت سی تکلیف دہ حالات پر مشتمل ہے کہ اس میں صحابہ کے درمیان جنگیں ہوئیں اور مسلمانوں کا خون خود مسلمانوں کے ہاتھ سے بے دریغ بہا۔ آج ضرورت اس کی ہے کہ اس دور پر تاریخی تنقید کے تحت کچھ لکھا جائے اور

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہونے کے بعد اس وقت کے مسلم معاشرے میں جو نئے عناصر اُبھر رہے تھے، اور ایک طرف خود قریش کی باہمی منافست اور دوسری طرف غیر قریشی عربوں کے صاحب اختیار نہیں تو کم سے کم صاحب اثر ہونے سے مسلم معاشرے میں انتشار اور انارکی کے جو محرکات پیدا ہو رہے تھے، ان کو سامنے رکھ کر اس دور کی تاریخ قلم بند کی جاتی۔ مولانا مودودی نے محض روایات سے کام لے کر خلافت راشدہ کے آخری دور اور بنو امیہ کی پورے عہد حکومت کی ایسی تصویر پیش کی ہے کہ اس سے بحث کے اور دروازے کھل گئے ہیں، اور مخالفین ایسی ہی روایات سے اس دور کی اس سے بالکل مختلف اور متضاد تصویر کھینچ رہے ہیں۔

مثلاً مولانا مودودی نے اہل عراق پر حجّاج بن یوسف کے مظالم کی لمبی داستان بیان کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اگر وہ اہل عراق کی تلوّن مزاجی، نقض عہد کی راسخ عادت اور ہر وقت بغاوت پر آمادہ رہنے کی فطرت کا بھی ذکر کر دیتے۔ تو قارئین کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ آجاتے۔ آخر یہی عراق میں آباد ہونے والے بدو تھے، جو رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد ارتداد میں پیش پیش تھے۔ حضرت علیؓ کو ان سے جو اذیتیں پہنچیں، وہ کچھ کم نہیں۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے ذمہ دار یہی تھے، پھر انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت کی۔ اور بعد میں اس سے منحرف ہو گئے اُمویوں کی حکومت مان کر بار بار ان کے خلاف بغاوت کرتے رہے۔ یہ تھے عراق والے جن کو قابو میں رکھنے کے لیے اُمویوں کو زیاد اور حجاج بن یوسف جیسے جابر والیوں سے کام لینا پڑا۔

حضرت حسن بصری نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ جب میں حجاج کے مظالم اور عراقیوں کی شورش پسندی کا موازنہ کرتا ہوں تو مجھے زیادتی کا پلڑا عراقیوں کی طرف جھکا ہوا نظر آتا ہے۔

مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ پر ایک فرد جرم یہ بھی لگائی ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ کو سارے شام کی ولایت سونپ دی اور انہیں اس منصب پر برابر فائز رہنے دیا۔ لیکن اگر مولانا اس حقیقت واقعی کو سامنے رکھتے کہ ایران کے کسریٰ کی طرح روم کے قیصر کی سلطنت ختم نہیں ہوئی تھی، بحیرہ روم کے بعض جزیرے اس کے قبضے میں تھے۔ اس کی سلطنت بڑی وسیع اور طاقتور تھی اور آئے دن وہاں سے اسلامی علاقوں پر حملے ہوتے تھے۔ اس صورت میں کیا یہ ضروری نہ تھا کہ لبنان، شام، فلسطین اور اُردن کے علاقے ایک امارت کے تحت ہوتے تاکہ وہ رومیوں کا کامیابی

سے مقابلہ کر سکتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور قیصر باوجود اس کے کہ وہ عیسائی تھا اور ان علاقوں کی غالب آبادی بھی عیسائی تھی ان علاقوں کو دوبارہ نہ لے سکا۔ حضرت عمرؓ کا یہ تدبر تھا کہ انہوں نے ایک زبردست دشمن کو روکنے کے لیے امیر معاویہؓ جیسا مدبر شام کا والی مقرر کیا خدانخواستہ اگر شام دوسرا عراق بن جاتا تو قیصر پھر شام پر دوبارہ قبضہ کیے بغیر آرام سے نہ بیٹھتا۔

مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ پر تو ایک طویل فرد جرم لگا دی لیکن اس کا ذکر کرنا موصوف نے ضروری نہ سمجھا کہ جس شر پسند رعایا سے ان کا واسطہ پڑا، اور جسے وہ قابو میں نہ رکھ سکے، وہ بعد میں نہ حضرت علیؓ کے قابو میں آئی۔ نہ ان کے فرزند حضرت حسنؓ کے اور نہ عبداللہ بن زبیر اور ان کے بہادر بھائی مصعب ہی اسے فرماں بردار بنا سکے۔ یہ لوگ اُس وقت تک بغاوتیں کرتے رہے جب تک عبدالملک بن مروان نے ان پر حجاج کو مسلط نہیں کیا۔ یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں مامون الرشید نے کہا تھا کہ ربیعہ اس وقت سے اللہ سے ناراض ہیں جب سے اس نے نبوت ربیعہ کے بجائے مضر کو دے دی۔ اور یہ کہ ربیعہ سے جو دو اٹھتے ہیں تو ان میں سے ایک خارجی ہوتا ہے۔

صفحہ ۱۱۱ پر حضرت عثمان کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے مصنّف لکھتے ہیں:۔

"۔۔۔ یہ لوگ جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی (مصر، کوفہ اور بصرے سے بیک وقت مدینہ پہنچے۔ یہ کسی علاقے کے بھی نمائندے نہ تھے۔ بلکہ سازباز سے انہوں نے اپنی ایک پارٹی بنائی تھی جب یہ مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ مگر تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا۔ اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی۔۔۔۔ مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر انہوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمانؓ کو گھیر لیا۔۔۔۔۔۔ ان لوگوں نے ۴۰ روز تک ایک ہنگامہ عظیم برپا کیے رکھا جس کے دوران میں ایسی ایسی حرکات ان سے سرزد ہوئیں جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھیں۔۔۔ آخر کار ان لوگوں نے ہجوم کر کے سخت ظلم کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ تین دن تک ان کا جسد مبارک تدفین سے محروم رہا اور قتل کرنے کے بعد ظالموں نے ان کا گھر بھی لوٹ لیا۔

سچ پوچھیئے تو خلافت راشدہ کا بحیثیت ایک نظام حکومت کے یہ اختتام تھا۔ دو ہزار افراد کا دارالخلافہ میں ۴۰ دن تک خلیفہ کا محاصرہ کیے رہنا اور حضرت علیؓ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جیسے صحابہ کبار کا باوجود خلیفہ کی پوزیشن صاف کرنے کے، خلیفہ کو شہید ہونے سے نہ بچا سکنا، اس کے معنی یہ تھے کہ " مدینہ کے مہاجرین و انصار" جو بقول مصنّف کے " دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے" عملاً بے اثر ہو گئے تھے۔ یا وہ محض اس شورش کے تماشائی بن کر رہ گئے تھے۔ اور جب کسی نظام کے "اہل حل و عقد" اسے قائم رکھنے میں اتنی بھی دلچسپی نہ لیں کہ وہ اپنے منتخب کردہ خلیفہ کی حفاظت ہی کر سکیں، تو اس کے معنی لاقانونیت اور انارکی کے ہوتے ہیں۔ اور ایسے حالات میں ہر قوم کی تاریخ میں وہی لوگ آگے آتے ہیں، جو جبر اور قوت سے نظام قائم کر سکتے ہیں، کیونکہ لاقانونیت کے مقابلے میں نظام بہرحال مرجح ہوتا ہے خواہ اسے قائم کرنے کے بعد جبر سے کام لینا پڑے۔

"تاریخ اسلام میں بنوامیّہ کا رول، بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اس کتاب کو مناقب و مثالب کی ایک داستان بنا دیا ہے، جو گزشتہ ایک ہزار سال سے ہمارے ہاں برابر دہرائی جا رہی ہے۔ لیکن انہوں نے تاریخ اسلام کے اس دور کو پیش کرنے میں تجزیاتی تنقید سے مطلق کام نہیں لیا کہ اس سے آج کی نسلوں کی آنکھیں کھلتیں۔ اور وہ اپنی تاریخ کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھتیں۔ اور اس سے حقیقی سبق لے سکتیں۔

کتاب کے باب اوّل۔ باب دوم اور باب سوم میں "قرآن کی سیاسی تعلیمات"۔
" اسلام کے اصول حکمرانی" اور "خلافتِ راشدہ اور اس کی خصوصیات" پر بحث کی گئی ہے —

مولانا مودودی پر یہ عام اعتراض ہے، یہاں تک کہ ان کے بعض پرانے ساتھی اس بنا پر ان سے الگ بھی ہو گئے کہ روز بدلنے والی سیاسی اور وہ بھی عملی و حزبی سیاسی ضرورتوں کو جائز ثابت کرنے کے لیے قرآن کی من مانی تاویلیں کرنے میں موصوف بڑے بیباک ہیں۔ اور اس کا بھی

خیال نہیں کرتے کہ پہلے قرآن وسنت سے کیا ثابت کر آئے ہیں اور اب وہ کیا ثابت کرنے کے درپے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا جماعت اسلامی ہند کے ایک رکن عبدالوحید خاں نے جو پندرہ سال تک جماعت سے وابستہ رہے۔ 'تعبیر کی غلطی' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مولانا مودودی نے قرآن کی جن آیات کو بنیاد بنا کر جماعت اسلامی کے نصب العین، دستور اور مقاصد کا تعین کیا اور جماعت کی دعوت کو دین اسلام کا اصل مقصود بنا کر پیش کیا ہے، اُن آیات سے دور نزدیک بھی یہ مفہوم نہیں نکلتا۔

مثلاً مولانا مودودی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے۔ جو زمانہ حال میں "اسٹیٹ" کے معنی ہیں' اور استدلال کیا ہے قرآن مجید کی اس آیت سے وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ عبدالوحید صاحب لکھتے ہیں۔ تقریباً سب کے سب علمائے تفسیر "شہادت" سے مُراد ایک ایسا کام لیتے ہیں جس کا تعلق اس دنیا سے نہیں بلکہ آخرت سے ہے۔

دوسری آیت اس سلسلے میں یہ پیش کی گئی ہے:۔ شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔

مولانا مودودی کے نزدیک "الدّین سے مُراد وہ سارے انفرادی و اجتماعی قومی و بین الاقوامی احکام ہیں، جو اسلامی شریعت میں ملتے ہیں اور اقامت کا مطلب ہے ان کو قائم کرنا۔ اس طرح یہ آیت پورے شرعی نظام کو مکمل طور پر انسانی زندگی میں غالب و نافذ کرنے کا حکم دے رہی ہے"

عبدالوحید خاں لکھتے ہیں کہ تمام علمائے تفسیر اس آیت میں الدّین سے مُراد اصل دین یا دین کی بنیادی تعلیمات لیتے ہیں نہ کہ کُل دین۔ پوری آیت کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک ایسے دین کی اقامت کا حکم دیا جا رہا ہے جو حضرت نوحؑ سے لے کر آخری رسول تک تمام انبیاء پر اترا ہے۔ اب چونکہ مختلف انبیاء پر نازل کی جانے والی تعلیمات اپنی پوری شکل میں یکساں نہیں تھیں۔ عقائد اور بنیادی اُصولوں کی حد تک تو ان سب کا دین بالکل ایک تھا مگر تفصیلی شریعت اور عملی احکام میں ان کے درمیان کافی فرق تھا اس لیے حکم کے الفاظ کے مطابق اک

سے دین کا وہی حصہ مُراد ہو سکتا ہے، جو سب میں مشترک رہا ہو۔

لیکن مولانا مودودی نے "ان اقیموا الدین" سے مُراد "اسٹیٹ" کو قائم کرنا لے لیا اور بقول ان کے "پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے 'اسٹیٹ' کا نظام لے کر آیا ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کے لیے کوئی جگہ ہے نہ انسانیت پر انسان کی حاکمیت کے لیے کوئی مقام۔ بلکہ حاکمیت و اقتدار اعلیٰ جو کچھ بھی ہے، صرف اللہ کے لیے ہے"۔

عبدالوحید خاں صاحب نے مولانا کی غلط تعبیر کی ایک اور مثال دی ہے، مولانا نے اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں لفظ "رب" کا ایک مفہوم "اجتماع کا مرکز" بتایا ہے یعنی "جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس پر متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں" جس کا "مرکزی اقتدار مملکت کی تمام رعیت کے لیے اجتماع کی بنیاد ہو۔" "جس کی مرکزی شخصیت کسی سرزمین کے تمدن و اجتماع کی اساس ہو" اور اس مفہوم کے ثبوت کے لیے قرآن کی جن آیات کے حوالے دیئے ہیں، ان سے یہ مفہوم کسی صورت نہیں نکلتا۔

یہ کل پانچ آیتیں ہیں، جن میں سے پہلی یہ ہے ۔ ھو ربکم والیہ ترجعون،
ظاہر ہے اس رجوع الی الرب کا تعلق آخرت سے ہے، نہ کہ دنیا سے۔ دُوسری آیت ہے ثم الی ربکم مرجعکم۔ یہ 'مرجعت' بھی آخرت سے تعلق رکھتی ہے۔ تیسری آیت یہ ہے۔ قل یجمع بیننا ربنا۔ یہ اجتماع بھی آخرت کا ہے نہ کہ دنیا کا۔ اس طرح باقی کی دو آیتیں ہیں، جن سے خواہ مخواہ اس دنیا کی اجتماعی تنظیم مراد لی گئی ہے، حالانکہ وہ آیتیں روزِ حشر کے بارے میں ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں بھی مولانا مودودی نے اسی طرح قرآنی آیات سے اپنی پسند کے اصُول اخذ کیے ہیں۔ مثال کے طور پر صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں، "اس جائز اور صحیح نوعیت کی خلافت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں بلکہ وہ جماعت (Community) اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے جس نے مذکورہ بالا اصولوں کو تسلیم کر کے اپنی ریاست قائم کی ہو۔۔" حالانکہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۲ پر قرآن کی یہ آیت ہے۔ یداود انا جعلنک

خلیفۃً فی الارض۔ یعنی اے داؤدؑ ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا۔

مولانا مودودی نے قرآن کے ۱۴ نکات سے "اسلامی ریاست کی خصوصیات" متعین کی ہیں۔ اول تو قرآن کی وہ آیات جن سے یہ ۱۴ نکات اخذ کیے گئے ہیں، ان نکات کا صحیح مخرج ہی نہیں دوسرے ان نکات سے جو خصوصیات نکالی گئی ہیں۔ ان میں اتنا تضاد ہے کہ ان خصوصیات کو قرآن سے منسوب کرنا بڑی زیادتی ہے۔ مثلاً مولانا کے نزدیک "وہ (اسلامی ریاست) حاکمیت کو خدا کے لیے خالص کر دینے کی حد تک تھیا کریسی کے بنیادی نظریہ سے متفق ہے" لیکن اس میں حل وعقد کے سارے اختیارات مذہبی پیشواؤں کے بجائے 'حدود ریاست میں رہنے والے تمام اہل ایمان کو' حاصل ہوں گے۔"

لیکن سوال یہ ہے کہ عوام کے بجائے صاحب اقتدار کے لیے 'ایمان' کی جو شرط رکھی گئی ہے کیا وہ 'اہل ایمان' کو مذہبی پیشوا کی حیثیت نہیں دے دے گی۔

اسی طرح مولانا یہ بھی لکھتے ہیں کہ "وہ (اسلامی ریاست) جمہوریّت کے اس اصول میں ڈیمو کریسی سے متفق ہے کہ حکومت کا بننا اور بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہیے" لیکن آگے چل کر وہ عوام سے یہ حق یہ کہہ کر واپس لے لیتے ہیں کہ "اس میں خدا اور رسولؐ کا بالاتر قانون اپنے اصول وحدود اور اخلاقی احکام وہدایات سے عوام کی خواہشات پر ضبط قائم رکھتا ہے اور ریاست ایک ایسے متعین راستے پر چلتی ہے جسے بدل دینے کے اختیارات نہ اس کی منتظمہ کو حاصل ہوتے ہیں نہ عدلیہ کو، نہ مقننہ کو، نہ مجموعی طور پر پوری قوم کو . . . ."

یہ تو صحیح لیکن خدا اور رسول کے بالاتر قانون کے اصول وحدود اور اخلاقی احکام وہدایات کی تعیین وتشریح کون کرے گا؟ عوام؟ تو پھر آخری اقتدار عوام کا ہوگا۔ مذہبی پیشوا! تو اس کے معنی تھیا کریسی ہے۔ اور اس کا ڈیمو کریسی سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔

زیر نظر کتاب کا سب سے زیادہ قابل توجہ حصّہ وہ ہے، جس میں مولانا مودودی نے امام ابو حنیفہ کی طرف اقوال منسوب کر کے ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے فاسق وظالم مُسلم حکومت (بغیر یہ بتائے کہ فاسق وظالم مُسلم حکومت کون سی ہوگی)

کے خلاف خروج کفار سے لڑنے کی بہ نسبت زیادہ افضل ہے۔

پہلے ہم کتاب سے اس مضمون کے وہ اقتباسات دیں گے۔ اور اس کے بعد ان پر محاکمہ کیا جائے گا۔

" آزادی رائے کے معاملے میں وہ (امام ابوحنیفہ) اس حد تک جاتے ہیں کہ جائز امامت اور اس کی عادل حکومت کے خلاف بھی اگر کوئی شخص زبان کھولے اور امام وقت کو گالیاں دے یا اسے قتل تک کرنے کا خیال ظاہر کرے تو اس کو قید کرنا اور سزا دینا ان کے نزدیک جائز نہیں تا وقتیکہ وہ مسلح بغاوت یا بدامنی برپا کرنے کا عزم نہ کرے صـ ۲۶۳-۲۶۴ اس کے ثبوت میں حضرت علی کا ایک ارشاد پیش کیا گیا ہے۔

"۔۔۔ لیکن امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ ظالم کی امامت نہ صرف یہ کہ باطل ہے بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیئے، بشرطیکہ ایک کامیاب اور مفید انقلاب ممکن ہو۔ ظالم و فاسق کی جگہ عادل و صالح کو لایا جا سکتا ہو اور خروج کا نتیجہ محض جانوں اور قوتوں کا ضیاع نہ ہو۔ صـ ۲۶۵"

زیدؒ بن علیؒ بن حسینؒ نے اُموی حکومت کے خلاف خروج کیا۔ اس سلسلے کا ایک اقتباس ہے

" اس خروج میں امام ابوحنیفہ کی پوری ہمدردی ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے زید کو مالی مدد بھی دی اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی تلقین بھی کی۔ انہوں نے ان کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے تشبیہ دی، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک جس طرح اس وقت آں حضرتؐ کا حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا، اس طرح اس خروج میں زید بن علی کا بھی حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا۔ صـ ۲۶۷"

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ " جب زید کا پیغام ان کے نام آیا کہ آپ میرا ساتھ دیں " تو انہوں نے معذرت کر دی اور قاصد کے ذریعہ لکھوایا۔ " البتہ میں روپے سے ان کی مدد ضرور کر دوں گا۔"

منصور عباسی کے خلاف نفس زکیہ نے خروج کیا تھا۔ اس سلسلے کا یہ اقتباس

"اس خروج کے موقع پر امام ابوحنیفہ کا طرز عمل پہلے سے مختلف تھا۔۔۔ انہوں نے اس زمانہ میں جبکہ منصور کوفے ہی میں موجود تھا اور شہر میں ہر وقت کرفیو لگا رہتا تھا، بڑے زور شور سے کھلم کھلا اس تحریک کی حمایت کی یہاں تک کہ ان کے شاگردوں کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ ہم سب باندھ لیے جائیں گے۔ وہ لوگوں کو ابراہیم کا ساتھ دینے اور ان سے بیعت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ خروج کو نفلی حج سے ۵۰ گنا سے ۷۰ گنا زیادہ ثواب کا کام قرار دیتے تھے ص۱۰"

اس سلسلے کا ایک اور اقتباس ہے۔

"ایک شخص ابو اسحاق الفزاری سے انہوں (امام ابوحنیفہ) نے یہاں تک کہا کہ تیرا بھائی جو ابراہیم کا ساتھ دے رہا ہے۔ اس کا یہ فعل تیرے اس فعل سے کہ تو کفار کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ زیادہ افضل ہے۔ امام کے یہ اقوال ابوبکر جصاص الموفق المکی اور ابن البزاز الکردری صاحب فتاوی بزازیہ جیسے لوگوں نے نقل کیے ہیں جو خود بڑے درجے کے فقیہہ ہیں۔ ص۲۷"

اس سے خود مولانا مودودی یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

"ان اقوال کے صاف معنی یہ ہیں کہ امام کے نزدیک مسلم معاشرے کے اندرونی نظام کو بگڑی ہوئی قیادت کے تسلط سے نکالنے کی کوشش باہر کے کفار سے لڑنے کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ فضیلت رکھتی ہے ص۱۰"

عباسی خلافت کا بانی ابوالعباس سفاح تھا۔ جس کی حکومت کوئی چار سال کے قریب رہی اس کا جانشین منصور ہوا۔ منصور کے عہد میں نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے خروج کیا۔ اس سلسلے کا ایک اقتباس ہے۔

"سب سے زیادہ اہم اور خطرناک اقدام ان (امام ابوحنیفہ) کا یہ تھا کہ انہوں نے المنصور کے نہایت معتمد جنرل اور اس کے سپہ سالار اعظم حسن بن قحطبہ کو نفس زکیہ اور ابراہیم کے خلاف جنگ پر جانے سے روک دیا۔ اس کا باپ قحطبہ وہ شخص تھا جس کی تلوار نے ابومسلم کی تدبیر و سیاست کے ساتھ مل کر سلطنت عباسیہ کی بنا رکھی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی جگہ سپہ سالار اعظم بنایا گیا اور منصور کو اپنے جرنیلوں میں سب سے زیادہ اس پر اعتماد تھا لیکن وہ کوفے میں رہ کر امام ابوحنیفہ کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ امام سے کہا کہ میں آج تک جتنے گناہ کر چکا ہوں (یعنی منصور

کی نوکری میں جیسے کچھ ظلم وستم میرے ہاتھوں ہوئے ہیں وہ آپ کے علم میں ہیں۔ اب کیا میرے لیے ان گناہوں کی معافی کی بھی کوئی صورت ہے؟ امام نے کہا "اگر اللہ کو معلوم ہو کہ تم اپنے افعال پر نادم ہو اور اگر آئندہ کسی مسلمان کے لیے بے گناہ قتل کے لیے تم سے کہا جائے اور تم اسے قتل کے بجائے خود قتل ہو جانا گوارا کر لو اور اگر تم خدا سے عہد کرو کہ آئندہ اپنے پچھلے افعال کا اعادہ نہ کرو گے تو یہ تمہارے لیے توبہ ہوگی۔ حسن نے امام کی یہ بات سن کر ان کے سامنے عہد کر لیا۔"[۲]

اس کے بعد کی عبارت ہے۔

"اس پر کچھ مدت ہی گزری تھی کہ نفس زکیہ اور ابراہیم کے خروج کا معاملہ پیش آگیا۔ منصور نے حسن کو ان کے خلاف جنگ پر جانے کا حکم دیا۔ اس نے آکر امام سے اس کا ذکر کیا۔ امام نے فرمایا اب تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہو گے تو تمہاری توبہ بھی قائم رہے گی۔ ورنہ پہلے جو کچھ کر چکے ہو اس پر بھی خدا کے ہاں پکڑے جاؤ گے اور اب جو کچھ کرو گے اس کی سزا بھی پاؤ گے۔" حسن نے دوبارہ اپنی توبہ کی تجدید کی اور امام سے کہا کہ اگر مجھے مار بھی ڈالا جائے تو میں اس جنگ پر نہ جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے منصور کے پاس جا کر صاف کہہ دیا کہ" امیرالمومنین" میں اس مہم پر نہ جاؤں گا۔ آج تک جو کچھ میں نے آپ کی اطاعت میں کیا ہے اگر وہ اللہ کی اطاعت میں تھا تو میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے اور اگر وہ اللہ کی معصیت میں تھا تو اس سے آگے اب میں مزید گناہ نہیں کرنا چاہتا" منصور نے اس پر سخت ناراض ہو کر حسن کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ حسن کے بھائی حمید نے آگے بڑھ کر کہا" سال بھر سے اس کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں اس مہم پر جاؤں گا" بعد میں منصور نے اپنے معتمد لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ حسن ان فقہاء میں سے کس کے پاس آتا جاتا ہے۔ بتایا گیا کہ ابو حنیفہ کے پاس اکثر اس کا آنا جانا ہے۔"

یہ روایت نقل کرنے کے بعد مولانا مودودی اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں

"یہ طرز عمل بھی ٹھیک امام کے اس نظریے کے مطابق تھا کہ ایک کامیاب اور صالح انقلاب کے امکانات ہوں تو ظالم حکومت کے خلاف خروج جائز ہی نہیں واجب ہے۔ اس معاملے میں امام مالک کا طرز عمل بھی امام ابو حنیفہ سے کچھ

مختلف نہ تھا ... صـ۲۰۲

اس سے آگے مولانا لکھتے ہیں :-

"یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ خروج کے مسئلے میں اہل السنت کے درمیان امام ابوحنیفہ اپنی رائے میں منفرد ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں اکابر اہل دین کی رائے وہی تھی، جو امام اعظم نے اپنے قول اور عمل سے ظاہر فرمائی ہے۔" صـ۲۰۲

اپنی اس رائے کی تائید میں وہ اموی حکومت کے خلاف بغاوتوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"یہ تھی پہلی صدی ہجری کے اہل دین کی عام رائے۔ امام ابوحنیفہ نے اس دور میں آنکھیں کھولی تھیں۔ اس لیے ان کی رائے بھی وہی تھی جو ان لوگوں کی تھی۔ اس کے بعد دوسری صدی کے آخری دور میں وہ دوسری رائے ظاہر ہونی شروع ہوئی جو اب جمہور اہل سنت کی رائے کہی جاتی ہے ..." صـ۲۷۵ ۔ مولانا نے "اس رائے کے ظہور کی وجہ" بھی بتائی ہے۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ اس سے پہلے اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۴ میں مولانا مودودی یہ بتا آئے ہیں کہ اس پہلی صدی میں ظالم حکومت کے خلاف خروج کے مسئلے میں اہل الحدیث کا بڑا گروہ اس رائے سے متفق نہ تھا۔ باب کا عنوان ہے :- "خلافت اور اس کے متعلقہ مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مسلک" اور مولانا کے الفاظ یہ ہیں :-

"اس زمانے کا ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کا امام ظالم و فاسق ہو تو آیا اس کے خلاف خروج (REVOLT) کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلے میں خود اہل السنت کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل الحدیث کا بڑا گروہ اس بات کا قائل رہا ہے کہ صرف زبان سے اس کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور اس کے سامنے کلمہ حق کہا جائے، لیکن خروج نہ کیا جائے اگرچہ وہ ناحق خوں ریزی کرے لوگوں کے حقوق پر بے جا دست درازیاں کرے اور کھلم کھلا فسق کا مرتکب ہو لیکن امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ تھا ..." (اس سے آگے کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے :

ان اقتباسات کے مندرجات پر سب سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سے ان کی نسبت تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں۔ خود مولانا مودودی زیر نظر کتاب کے صـ۲۳۰ پر اعتراف

کر چکے ہیں کہ اس کتاب (الفقہ الاکبر) کے بعض حصوں کے متعلق قریب کے زمانے میں محققین نے شک ظاہر کیا ہے کہ وہ الحاقی ہیں" اور جدید تحقیقات نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ الفقہ الاکبر امام صاحب سے بہت بعد کی تالیف ہے۔ اس سلسلے میں اگر کسی کتاب کی صحیح طور پر امام صاحب کی طرف نسبت ہو سکتی ہے، تو وہ صرف ان کا وہ مکتوب ہے، جو انہوں نے اپنے ایک معاصر عثمان البتیؒ کو لکھا تھا۔ اور اگر اس مکتوب کا مطالعہ کیا جائے تو مولانا مودودی نے امام صاحب کے نام سے "مسئلہ خروج" کے بارے میں اپنی تحقیقات و تخریجات کا جو محل بنایا ہے، وہ زمین پر آرہے گا۔

یہ جانتے ہوئے کہ "الفقہ الاکبر" نہ تو امام ابوحنیفہ کی خود اپنی تصنیف کردہ کتاب ہے اور نہ ان کی املا کردہ ہی، اور نہ خود ان کے سامنے اور ان سے متصل دور میں یہ مرتب ہوئی، مولانا مودودی کا یہ اثبات کرنا۔

"امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے "الفقہ الاکبر" لکھ کر ان مذہبی فرقوں کے مقابلے میں عقیدہ اہل السنت والجماعت کو ثبت کیا۔"

علمی دیانت کے شایان شان نہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے لیے خواہ مخواہ امام صاحب کا نام استعمال کرنے پر تلے ہیں۔

اس ضمن میں دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مولانا مودودی نے امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی اور خلافت اور اس کے متعلقہ مسائل کے بارے میں ان کے مسلک کو صحیح سیاق و سباق میں پیش نہیں کیا اور ایسا غالباً عمداً کیا گیا ہے تاکہ وہ ان امور سے حسب دلخواہ نتائج نکال کر اس وقت مولانا کا جو سیاسی موقف ہے، اسے وہ تقویت دے سکیں۔

اس میں شک نہیں کہ جمہور اہل عراق کی طرح امام ابوحنیفہ کی ہمدردیاں آل علی کے ساتھ تھیں اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ اموی اقتدار ختم ہو اور اس کی جگہ آل علی کو خلافت ملے، اس لیے اموی دور میں امام صاحب کا زید بن علی بن حسین کی حمایت کرنا فطری تھا، لیکن اہل عراق ناقابل اعتماد تھے اور ان کی پیہم بغاوتیں امویوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ عباسیوں نے یہ دیکھ کر عراق سے دور خراسان میں آل محمدؐ کے نام سے اپنا خفیہ پروپیگنڈا شروع کیا اور اس میں وہ اتنے کامیاب ہوئے کہ ان کے جھنڈے تلے ایک بڑی طاقت جمع ہو گئی اور انہوں نے امویوں کو شکست دے کر

خلافت پر قبضہ کر لیا۔

عباسیوں کا سارا پروپیگنڈا "آل محمدؐ" کے نام سے تھا۔ اور جب وہ امویوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے، تو قدرتاً آل علی کے حامیوں کا یہ خیال تھا کہ خلافت آل علی کو ملے گی، لیکن عباسی خود آل محمدؐ کے وارث بن بیٹھے۔ اس کے خلاف نفس زکیہ اور ابراہیم نے خروج کیا، لیکن چونکہ عباسی کافی عرصے سے اپنی تنظیم کر رہے تھے اور ان کو خراسان سے قابل اعتماد حامی مل گئے۔ اس لیے وہ امویوں کی طرح آل علی پر بھی غالب آئے۔ ان کی خلافت مستحکم ہو گئی۔ اور آخر میں تمام اہل سنت نے انہیں خلافت کا جائز حق دار مان لیا۔ چنانچہ امام مالک جو منصور کے خلاف نفس زکیہ کے حق میں تھے بعد میں عباسی خلافت کے حامی ہو گئے[1]۔ اور اسی طرح امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید امام ابو یوسف نے عباسیوں کے ہاں قضا کا سب سے بڑا عہدہ قبول کیا۔ اور اس طرح وہ فقہ حنفی کو فروغ دے سکے۔

ظاہر ہے امام ابو حنیفہ دوسرے اہل عراق کی طرح اُمویوں اور عباسیوں کے مقابلے میں آل علی کے طرف دار تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے زید بن علی اور نفس زکیہ کی حمایت کی۔ یہ ہے اصل واقعہ لیکن مولانا مودودی نے اس تاریخی پس منظر کو سامنے نہ رکھ کر واقعات کو بالکل دوسرا رنگ دے دیا۔ اور یہ محض اس لیے کہ وہ اپنے "خروج" کے نظریے کو اس سے ثابت کر سکیں۔

منصور کے بعد مہدی، ہادی، ہارون بلکہ مامون تک عباسی مسند اقتدار کے ارد گرد آل علی کی طرف رجحان رکھنے والے رہے ہیں اور ان میں سے اکثر عباسی خلفاء کے ہاتھ سے مارے بھی گئے، مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں اصل مسئلہ فاسق و ظالم امام کے خلاف خروج کا نہ تھا، بلکہ عباسیوں اور علویوں کی مسابقت کا تھا۔ اور دونوں خانوادوں کے کثیر تعداد میں حامی موجود تھے

---

[1] المنصور کے حاجب ربیع بن یونس کا بیان ہے کہ منصور نے امام مالک۔ ابن ابی ذئب اور امام ابو حنیفہ کو بلایا اور ان سے کہا "یہ حکومت جو اللہ تعالیٰ نے اس امت میں مجھے عطا کی ہے۔ اس کے متعلق آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ کیا میں اس کا اہل ہوں؟
امام مالک نے کہا "اگر آپ اس کے اہل نہ ہوتے تو اللہ اسے آپ کے سپرد نہ کرتا" (خلافت و ملوکیت صفحہ ۲۴۹)

مولانا مودودی نے زیادتی یہ کی کہ اصل مسئلے کو بالکل مسخ کر کے پیش کیا اور اس سے وہ نتائج نکالے جن سے خود ان کا اپنا کام نکل سکے۔ اسی سلسلے میں مولانا مودودی نے بعد کے آئمہ فقہ مثلاً مذہب حنفی کے مشہور امام ابو بکر الجصاص اور بعض دوسرے بزرگوں کے اقوال بھی دیئے ہیں، مثلاً" الجصاص لکھتے ہیں : "..... اس آیت سے یہ ثابت ہے کہ فاسق کی امامت باطل ہے : وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا اور یہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خود اس منصب پر قائم کرے درانحالیکہ وہ فاسق ہو، تو لوگوں پر اس کا اتباع اور اس کی اطاعت لازم نہیں ..." ص ۲۵۳

مولانا مودودی لکھتے ہیں : "آگے چل کر الجصاص اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور پھر تفصیل کے ساتھ بتاتے ہیں کہ ابو حنیفہ پر یہ کتنا ظلم ہے کہ انہیں فاسق کی امامت جائز قرار دینے کا الزام دیا جاتا ہے"

ان فقہائے متاخرین کا ایک طرف فاسق کی امامت کے ناجائز ہونے کا ذکر کرنا اور دوسرے طرف یہ کہنا۔ کہ "قاضی اگر خود عادل ہو تو خواہ کسی ظالم امام ہی کا مقرر کیا ہوا ہو، اس کے فیصلے صحیح طور پر نافذ ہو جائیں گے اور نماز ان فاسق اماموں کے پیچھے بھی ان کے فسق کے باوجود جائز ہو گی ——"

اس کا بھی اپنا تاریخی پس منظر ہے۔ ماموں کے بعد عباسی خلافت کمزور ہوتی گئی اور اس کے مختلف علاقے اس سے آزاد ہوتے چلے گئے۔ یہ تاریخ اسلام میں طوائف الملوکی کا دور ہے۔ اس میں اکثر ایسا ہوتا کہ من چلے لوگ ادھر ادھر سے طاقت بہم کر کے کوئی نہ کوئی علاقہ دبا بیٹھتے اور حکومت کرنے لگتے ان میں سے زیادہ تر بہت خود سر ہوتے۔ اور بڑی بے اعتدالیاں کرتے۔ اس دور کے فقہاء نے جہاں ایک طرف یہ فتویٰ دیا کہ " حج و جہاد مسلمانوں کے اولی الامر کے ماتحت قیامت تک جاری رہیں گے خواہ وہ نیک ہوں یا بد" (عقیدہ طحاویہ۔ خلافت و ملوکیت ص ۲۵۲) وہاں دوسری طرف ان پر یہ بھی واضح کیا کہ" فاسق کی امامت باطل ہے۔ اور اس کا اتباع اور اس کی اطاعت لازم نہیں"

غرض ہمارے بزرگوں نے ایسے نامساعد حالات میں بھی مسلم معاشرے کا توازن قائم رکھا۔ اور اسے مزید خلفشار سے بچایا یہ ان بزرگوں کی بہت بڑی خدمت ہے لیکن اس

کتاب میں مولانا مودودی نے ان کے ان اقوال و آراء کو اس تاریخی پس منظر سے الگ کر کے پیش کیا ہے اور ان کے وہ معنی لیے ہیں، جو ان بزرگوں کے ذہن میں ہرگز نہ تھے۔

مصنف کا اصل مقصود: آپ نے دیکھا کہ زیر نظر کتاب کے مصنف نے کس طرح تاریخ اسلام کے گزشتہ واقعات اور قرآن، سنت، خلفاء راشدین اور ائمہ کبار کے بیانات کو ان کے صحیح سیاق و سباق سے الگ کر کے ان سے اپنے مطلب کے معانی اخذ کیے ہیں تاکہ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے اسلام کو بطور ایک سیاسی حربہ کے استعمال کر سکیں ان کا شروع سے یہی طریقہ کار ہے۔
البتہ اس کتاب میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، وہ کافی خطرناک ہے۔ ان کا یہ اصرار کہ "امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ ظالم کی امامت نہ صرف یہ کہ باطل ہے بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ایک کامیاب اور مفید انقلاب ممکن ہو" نیز یہ کہ "امام صاحب کے نزدیک مسلم معاشرے کے اندرونی نظام کو بگڑی ہوئی قیادت کے تسلط سے نکالنے کی کوشش باہر کے کفار سے لڑنے کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ فضیلت رکھتی ہے" اور اس سے بڑھ کر ان کا منصور کے سپہ سالار اعظم حسن بن قحطبہ کا واقعہ بیان کرنا کہ اس نے امام ابوحنیفہ کے کہنے سے خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا (فکر و نظر ص) یہ ایسی چیزیں ہیں کہ مصنف نے امیر جماعت اسلامی کی حیثیت سے قرآن و سنت اور دین اسلام کے واحد شارح و ترجمان کا جو منصب اختیار کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ سیاسی اور دینی قیادت کو اپنی ذات اور اپنی جماعت میں جمع کرنے کے جس طرح داعی ہیں۔ اور پھر جیسے وہ حزب اقتدار کے سب سے سرگرم حریف بھی ہیں، اس کو سامنے رکھتے ہوئے زیر نظر کتاب کے پیچھے مصنف کے جو عزائم ہیں ان کا بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے۔

آج اس زمانے میں کسی فرد یا جماعت کا اقتدار کی خواہش رکھنا اور اسے حاصل کرنے کے لیے جد و جہد کرنا کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا، لیکن دین اسلام، اسلامی تاریخ، اسلامی روایات اور ائمہ و فقہا کی تعلیمات کی غلط تعبیر کے ذریعہ اگر آج بھی اقتدار کی لڑائیاں لڑنے کی اجازت رہی، تو اس ملک میں نہ کبھی صحت مند سیاست جنم لے سکے گی نہ عوام میں معاشی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کا شعور پیدا ہوگا، نہ یہاں کا معاشرہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھنے کے قابل ہوگا۔

اور نہ ہم اپنے آپ کو اور گرد و پیش کی دنیا کو صحیح معنوں میں جان سکیں گے۔ اس صورت میں قوم و ملک کی اصلاح و بہبود کے ہر اقدام کو دینی جماعتیں فسق و ظلم قرار دیں گی۔ اور ایسا اقدام کرنے والی حکومت لازماً فاسق و ظالم ہوگی، جس کے خلاف خروج فریضہ اسلامی ہوگا۔ بلکہ اگر سپہ سالارِ اعظم اپنی حکومت کا حکم ماننے سے انکار کر دے تو اس کا یہ انکار مستحسن سمجھا جائے۔

ابھی زیادہ دن نہیں گزرے، مولانا مودودی نے اپنے ایک پبلک بیان میں جو جماعت اسلامی کے رسالے میں چھپا، کہا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خاندانی منصوبہ بندی کی جاتی تو آپ اس کے خلاف اسی طرح جہاد کرتے جس طرح آپ نے شرک کے خلاف کیا۔

اور یاد رہے کہ یہ کسی ایسے عالم دین کا فتویٰ نہیں کہ وہ جس بات کو صحیح سمجھتا ہے کہہ دیتا ہے اور بس، بلکہ یہ پبلک بیان ہے ایک نام نہاد دینی لیکن اصلاً سیاسی جماعت کے امیر کا جو آج حصول اقتدار کے لیے سب سے زیادہ سرگرم کار ہے اور جس کے امیر زیر نظر کتاب کے مصنف ہیں اور اس کتاب میں ٹیپ کا بند "خروج کا مسئلہ ہے ایک مسلم حکومت کے خلاف" "خروج" کا جسے آپ جب چاہیں، 'فاسق و ظالم' ثابت کر سکتے ہیں۔

دین اور دینی تعلیمات کی تحریف اور اس کا انتہائی بھونڈا سیاسی استعمال، غرض یہ ہے لب لباب اس کتاب کے جملہ مطالب کا۔

طابع: ظہیر الدین ——— مطبع استقلال پریس لاہور
ناشر: ڈاکٹر فضل الرحمن، ادارہ تحقیقات اسلامی، راولپنڈی